قسط 4

باب 1

لمبی ہے غم کی شام

وجاہت صاحب کی حویلی میں ڈرائنگ روم میں شہریار اور وجاہت صاحب دونوں پریشان بیٹھے تھے۔

انکل میں نے ہر ممکن جگہ دیکھ لیا ہے۔تمام دوستوں سے پتہ کروا لیا ہے۔مگر کچھ پتہ نہیں چل رہا۔

وجاہت صاحب بولے۔بیٹا پولیس بھی اپنی سی کوشش کر رہی ہے۔مگر کامیاب نہیں ہو پا رہی اوپر سے تمہاری آنٹی کی طبیعت بھی بہت خراب ہے۔.

فکر نہ کریں انکل صیان مل جائے گا تو آنٹی بھی ٹھیک ہے ہو جائیں گی آپ فکر نہ کریں۔

ابھی وہ مزید کچھ کہتا اس سے

پہلے اس کا فون بجا۔

فون سکرین پر دلاور کا نام نظر آرہا تھا۔

شہریار نے فوراً فون اٹھایا۔

ہیلو چوہدری صاحب۔آپ کے دوست صیان مل گئے ہیں۔شہریار خوشی سے وجاہت صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔۔

کہاں ہے وہ۔شہریار نے جلدی سے پوچھا۔

وجاہت صاحب نے بھی گردن اٹھائی۔وہ امید سے شہریار کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دلاور نے جواب میں پتہ بتایا۔پتہ سنتے ہی شہریار کے چہرے پر اداسی بھری مسکراہٹ آ گئی۔

وہ ٹھیک تو ہے نہ۔شہریار نہ جلدی سے پوچھا۔

جی سائیں۔آپ کے دوست خیریت سے ہیں۔دلاور آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

شکریہ دلاور۔میں یہ احسان نہیں بھولوں گا۔

احسان کی کیا بات ہے سائیں۔ہم تو آپ کے غلام ہیں۔وہ واقعی دل سے کہہ رہا تھا۔

چلو اس بارے میں بعد میں بات ہوگئی۔میں نکلتا ہوں۔

جی سائیں۔اس کے ساتھ ہی شہریار نے فون بند کر دیا اور وجاہت صاحب کو دیکھا اور کہا۔

آنکل صیان مل گیا ہے۔بلکل ٹھیک ہے وہ۔اس کے چہرے پر وہی اداسی بھری مسکراہٹ قائم تھی۔

کہاں ہے وہ۔وجاہت صاحب نے جلدی سے پوچھا۔

ہے آنکل ایک جگہ۔معازرت مگر آپ کو نہیں بتا سکتا۔وہ میرا اور صیان کا سیکرٹ ہے۔وہ ہمیشہ دکھ میں وہیں جاتا ہے۔میں حیران ہوں مجھے پہلے یاد کیوں نہیں آیا۔خیر میں نکلتا ہوں۔صیان کے پاس پہنچ کر آپ سے اس کی بات کروا دوں گا۔وہ اٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

بیٹا میں ساتھ چلوں۔وہ تذبذب کا شکار لگتے تھے۔

نہیں آنکل آپ آنٹی کے پاس رکیں۔ابھی مجھے جانے دیں۔میں آپ سے اس کی بات کروا دوں گا۔وہ دروازے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔

ٹھیک ہے بیٹا۔جیسے تمہیں ٹھیک لگے۔میں انتظار کروں گا۔صیان سے میری بات کروا دینا۔انہوں نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔

جی کہہ کر وہ باہر نکلا۔گاڑی میں بیٹھا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

آج اس کے ذہن میں بہت سی باتیں تھیں۔قاسم۔نصیر۔ابا۔وہ سب کو سوچتی رہی۔

دل چاہتا تھا کہ سب لڑکوں سے باتیں کرنا چھوڑ دیے۔مگر ذہن رضامند نہ تھا۔یہ سب سوچتے ہوئے ذیب گاڑی سے باہر دیکھتی رہی۔

وانیہ سامنے بیٹھی موبائل میں گم تھی۔اس کا موبائل سے لگاؤ آج کل کچھ زیادہ بڑھ گیا تھا۔

اتنے میں وین کالج کے آگے رکی۔

وہ اتر رہی تھی کہہ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کا سانس بند ہو گیا۔

نصیر کالج کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے فوراً وانیہ کو دیکھا۔جو بے خبر سی سب سے آخر میں اتر رہی تھی۔باقی لڑکیاں اندر جا چکیں تھیں۔

وانیہ وہ دیکھو نصیر۔وہ وانیہ کے کان میں بولی۔

وانیہ نے جھٹکے سے گردن موڑی اور سامنے دیکھا۔

جہاں ایک لڑکا کھڑا تھا۔وہ سانولے رنگ پکی عمر اور بے ہنگم

داڑھی کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

چلو ذیب واپس گاڑی میں۔وانیہ دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

پر کیوں؟ ذیب کو وانیہ کی بات سمجھ تو نہیں آئی مگر وہ گاڑی میں دوبارہ بیٹھ چکی تھی۔

آنکل نے ان دونوں کو واپس بیٹھتے دیکھا تو پریشانی سے پوچھا۔

بیٹا آپ واپس کیوں بیٹھ گئیں ہیں۔

ذیب اور آنکل وانیہ کی طرف نا سمجھی سے دیکھ رہے تھے۔

آنکل اترتے ہوئے ذیب کے پاؤں میں موچ آگئی ہے۔وہ چل نہیں سکتی آپ ہمیں گیٹ پار کر کے کالج کے اندر چھوڑ دیں۔

وہ آرام سے کہہ رہی تھی۔

اچھا بیٹا۔آنکل نے گاڑی سٹارٹ کی اور کالج کا گیٹ پار کر کے کالج کے اندر آکر گاڑی روکی۔

شکریہ آنکل۔وانیہ آرام سے کہہ کر اتر رہی تھی۔

ذیب اس سب کے دوران انتہائی احسان مند نظروں سے وانیہ کو دیکھ رہی تھی۔وہ بھی نم آنکھوں کے ساتھ اترنے لگی۔

باہر کھڑا نصیر غصہ سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

وانیہ نے ایک نظر نصیر کو دیکھ کو آگے کلاس میں داخل ہو گئی۔

ذیب بھی اس کے پیچھے پیچھے کلاس میں داخل ہو گئی۔

پیچھے آتی ذیب کو دیکھ کر وانیہ نے کہا۔اتنے چھوٹے مسلوں پر پریشان نہ ہوا کرو۔

کوشش کروں گی۔

ذیب مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

یہ منظر ایک نہایت بکھرے ہوئے کمرے ہے۔دیواروں پر مختلف فلم ہیروز کے پوسٹرز لگے ہوئے ہیں۔غور کرنے پر نظر آئے گا کہ

بیڈ پر لیٹا قاسم انتہائی خوشی اور محبت سے گنگنا رہا ہے۔

ساتھ ساتھ وہ موبائل میں سب لڑکیوں کو بلاک کر رہا ہے۔

اب بس صرف تم ذیب النساء۔صرف تم۔

اس نے ہر سوشل میڈیا سے ہر جگہ سے دوسری لڑکیوں کو بلاک کر دیا۔

مجھے اتنی باکردار بااخلاق لڑکی سے سچی محبت ہو گئی ہے کہ تم جیسی گھٹیا عورتوں کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔

کسی لڑکی کی نہ چھوڑنے کی منت کے جواب میں قاسم نے کہا تھا۔

وہ اپنی محبت میں سرشار تھا۔اسے لگتا تھا کہ وہ اچھی لڑکی سے محبت کرے پھر شادی کرے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اسے لگتا تھا وہ سچی محبت کرے تو کوئی اس کا دل نہیں توڑ سکتا۔اسے وہ سب لڑکیاں بھول گئیں جنہوں نے اس سے سچی محبت کی تھی اور اس نے ان کا دل بے دردی سے توڑا تھا۔

اسے اپنی پچھلی زندگی پر کوئی پچھتاوا یا ندامت نہیں تھی۔اس نے کتنوں کے دل توڑے۔۔ کتنوں کی زندگی برباد کی۔اسے اس کی کوئی فکر کوئی ندامت نہیں تھی۔

وہ شاید یہ بھول گیا تھا کہ جو لوگ دوسروں کے دل توڑتے ہیں ان کا اپنا دل بھی پھر ٹوٹنے سے بچ نہیں سکتا۔

گاڑی ملتان کی حدود میں داخل ہو چکی تھی اور پوری سپیڈ سے بھاگ رہی تھی۔صیان اور شہریار کے آبائی گاؤں جنوبی پنجاب میں ملتان سے آگے تھے۔چوہدری اور قریشی خاندان زیادہ تر پنجاب میں پائے جاتے ہیں۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک دروازے کے سامنے رکی۔اس دروازے کے آگے ایک طرف ڈیرا تھا اور ایک طرف عالیشان بڑے بڑے ستونوں والا محل۔

شہریار نے گاڑی سے اتر کر ڈیرے کی طرف قدم بڑھائے۔مگر وہ چلتا چلتا اب ڈیرے سے آگے اصطبل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

آگے کھڑے ملازم اسے جانتے تھے لہاذا اسے دیکھتے ہی پیچھے ہٹ گئے۔وہ آگے بڑھا اور ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

کمرہ گرد سے بھرا ہوا تھا۔جگہ جگہ چارا بکھرا تھا۔وہ کمرہ شاید گھوڑوں کا چارہ رکھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو سامنے اکڑوں بیٹھا سر ٹانگوں میں دیے وہ نظر آیا جس کی تلاش میں وہ اتنے دن سے پاگل ہو رہا تھا۔

صیان۔وہ اونچا پکارتا ہوا اس کے پاس آ بیٹھا۔

صیان نے گردن نہیں اٹھائی تھی۔

تو ٹھیک ہے؟ شہریار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہؤا تو اس نے سر اٹھایا۔

لال سرخ روئی روئی آنکھیں۔بکھرے بال۔اجڑا چہرا اس کے غم کی گواہی دے رہا تھا۔

یار کیا حال کر لیا ہے تو نے اپنا۔وہ عورت اس قابل نہیں تھی کہ اس کے غم میں تو اس طرح بے حال ہو جائے۔وہ تیری محبت کے قابل ہی نہیں تھی۔

تجھے لگتا ہے میں اس کے غم میں بے حال ہو رہا ہوں؟ صیان نے الٹا سوال کیا تھا۔

شہریار خاموش رہا تو صیان نے خود ہی کہا۔

میں اس کا غم نہیں منا رہا۔میں تو اپنا غم منا رہا ہوں۔اپنے دل ٹوٹنے کا غم۔اپنی بے عزتی کا غم۔اپنی ناقدری کا غم۔اپنے خوابوں اپنی خواہشوں کا غم۔وہ تو اس سب میں کہیں بھی نہیں ہے۔

شہریار خاموش رہا وہ چاہتا تھا صیان کہہ لے جو دل میں ہے تاکہ اس کا دل ہلکہ ہو جائے۔

پلیز شہریار تو چلا جا مجھے اکیلا چھوڑ دیے۔میں اسی قابل ہوں۔یہ کہہ کر اس نے گردن پھر جھکا لی تھی۔

مگر شہریار وہاں سے نہیں ہلا۔وہ خاموشی سے وہیں بیٹھا رہا۔صیان بھی چپ بیٹھا تھا۔

لمحے بیتے گئے۔وقت گزرتا گیا۔وہ دونوں خاموشی سے اسی کمرے میں بیٹھے رہے۔

کافی دیر بعد صیان نے سر اٹھایا تو دیکھا۔شہریار وہیں موجود تھا۔

یار میں نے کہا تھا چلا جا۔

میں جاؤں گا تو تجھ لے کر ہی جاؤں گا۔تجھے اس حال میں چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا رہا۔

شہریار اطمینان سے بیٹھا تھا۔

صیان نے اب کی بار کچھ نہیں کہا۔وہ شہریار کی ضد کو جانتا تھا۔

وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔کچھ وقت اور گزرا۔

اب شہریار نے کہا۔تجھے اکیلے رہنا ہے نا۔تو ٹھیک ہے میری حویلی چل۔یہاں بلکل ساتھ والے گاؤں میں تیرے دادا کا گھر ہے وہاں کسی کو پتہ چلا تو یہاں ہے تو مسئلہ ہو جائے گا۔

مجھے حیدرآباد نہیں جانا۔صیان کی بھیگی سی آواز آئی تھی۔

میں بھی حیدرآباد کی بات نہیں کر رہا۔میری گاؤں والی حویلی کی بات کر رہا ہوں۔وہاں چل۔ممی بھی گھر نہیں ہیں۔بھلے سے وہاں اکیلے رہ مگر یہاں اس حال میں نہیں۔

پر۔۔۔صیان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔مگر شہریار نے اس سے پہلے کہا۔

ورنہ تیرے دادا آگئے اور کوئی مسلئہ ہو گیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں۔

صیان نے کچھ دیر سوچا پھر کہا۔

ٹھیک ہے چل۔وہ دونوں اب اٹھ رہے تھے کہ اچانک صیان کے قدم لڑکھڑائے۔شہریار نے اسے بازو سے پکڑا تھا۔

اب وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر اس اصطبل سے بہت دور جا رہے تھے۔

کیا مجھے وانیہ کی بات ماننی چاہیے۔کیا مجھے نصیر سے ملنا چاہیے۔ہاں وانیہ صحیح کہتی ہے مجھے اس سے مل کر بات کرنی چاہیے۔

آج صبح نصیر کو کالج کے سامنے دیکھنے کے بعد وانیہ نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ نصیر سے مل لے اور ڈرنے کو کوئی بات نہیں وانیہ اس کے ساتھ جائے گی۔اس لیے آج وہ سارے دن اسی بارے میں سوچتی رہی تھی۔

وہ بیڈ پر لیٹی مختلف سوچیں سوچ رہی تھی کہ فون بجا۔

قاسم کا نمبر دیکھ کر اسے کوفت ہوئی تھی۔

اس آدمی کو بھی چین نہیں ہے۔

سر غصہ سے جھٹکتی وہ فون اٹھا چکی تھی۔

کمرے کے باہر ماہم جو ذیب کو کسی کام سے بلانے آئی تھی۔ذیب کو کال پر کسی لڑکے سے بات کرتا دیکھ کر وہیں رک گئی۔اور غور سے باتیں سننے لگی۔

ذیب بےدلی سے قاسم سے باتیں کر رہی تھی کہ اچانک قاسم نے کہا۔

ذیب میں کراچی جا رہا ہوں کچھ دنوں کے لیے۔تمہارے لیے کیا لاؤں؟

مجھے کچھ نہیں چاہیے۔وہ آرام سے کہہ رہی تھی۔

کیوں؟ تم کبھی کوئی فرمایش نہیں کرتی۔کوئی تحفہ نہیں لیتی۔کیوں؟

مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔اسے واقعی اس طرح لڑکوں سے تحفے لینا پسند نہیں تھا۔اسے تو لڑکے بھی پسند نہیں تھے۔خیر وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے ذہن میں ایک آیڈیا آیا۔وہ دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

آپ کب جا رہے ہیں۔وہ متجسس تھی۔

جمعرات کو۔وہ خوشی سے جواب دیے رہا تھا۔اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ذیب نے اس کے بارے میں کچھ پوچھا تھا۔ورنہ وہ تو زیادہ تر خاموش رہتی تھی۔

اور واپسی کب ہوگی۔وہ کچھ اندازہ لگا رہی تھی۔

اتوار کو۔اب کی بار تو وہ جیسے بہت زیادہ خوش ہوا تھا۔

ایک منٹ بابا آرہے ہیں میں بعد میں بات کرتی ہوں۔یہ کہہ کر وہ فون رکھ چکی تھی۔

باہر کھڑی ماہم ساری بات سن چکی تھی۔اس نے واپس جانے کے لیے قدم موڑے ہی تھے کہ اس کے کانوں میں آواز پڑی۔

ذیب اونچا بڑبڑا رہی تھی۔اگر مجھے نصیر سے ملنا ہے تو تب ملنا چاہیے جب قاسم شہر میں نہ ہو۔ورنہ یہ نہ ہو وہ مجھے دیکھ لے اور کوئی مسلئہ ہو جائے۔

یہ سن کر ماہم کی آنکھیں چمک گئیں جس موقع کا اسے انتظار تھا وہ آگیا تھا۔اس نے اپنے قدم واپس کمرے کے قریب کر لیے۔

اندر ذیب جھٹکے سے اٹھی اور فون اٹھایا۔

اب وہ نصیر کو کال ملا رہی تھی۔

باہر ماہم نے فوراً اپنا فون آن کیا اور ویڈیو بنانے لگی۔

پہلی بیل پر ہی کال اٹھا لی گئی۔

اب ذیب نصیر کو ملنے کی جگہ اور ٹائمنگ بتا رہی تھی۔

نصیر سے بات کرنے کے بعد اب ذیب مطمئن سی لیٹ گئی تھی۔

باہر ماہم نے اس کی نصیر سے باتیں کرتے ہوئے اور ملاقات طہ کرتے ہوئے ویڈیو بنالی تھی۔

اب تم دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔تمہیں میرے آنسوں دیکھ کر سکون ملتا ہے نا۔اب دیکھنا میں تمہارے پاس آنسوں کے علاوہ کچھ چھوڑوں گی ہی نہیں۔

وہ اپنی چمکتی آنکھیں لے کر کمرے کے باہر سے جا چکی تھی۔

گھر کا ماحول ابتر تھا۔صیان والے واقعے کے بعد سے غضنفر اپنے کمرے سے نہیں نکلے تھے۔ شبانہ لاکھ انھیں مناتیں مگر وہ خاموش چپ چاپ بیٹھے خلا میں گھورتے رہتے۔

وانیہ کو لگتا تھا کہ وہ کچھ دنوں میں خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے مگر وہ کچھ دن کب آئیں گے اس بارے میں کسی کو معلوم نہ تھا۔

ایک صبح وانیہ اپنے بابا کے کمرے کے پاس سے گزر رہی تھی۔

کہ اپنے بابا کو خاموش بیٹھے دیکھا تو اندر آ گئی۔

بابا آپ ناراض ہیں مجھ سے؟

وہ صوفہ پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

نہیں بیٹا۔وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

اتنے میں شبانہ بھی دروازے سے داخل ہوئیں۔

غضنفر پلیز کچھ کہہ لیں مگر یوں خاموش نہ ہوں۔وانیہ کی سزا مجھے کیوں دیے رہے ہیں۔

وانیہ کی سزا؟ نہیں شبانہ وانیہ کی سزا تو نہیں ہے۔یہ تو میری اپنی سزا ہے۔میرا اپنا کیا آج میرے سامنے آیا ہے۔وہ خلا میں دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

بابا پلیز۔وانیہ کو بھی اب پریشانی ہو رہی تھی۔

وانیہ بیٹا ادھر آو۔

وانیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور غضنفر صاحب کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

آپ بھی بیٹھ جائیں شبانہ۔

شبانہ بھی وانیہ کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ وانیہ کی سزا نہیں ہے میری اپنی سزا ہے۔وانیہ آج میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں۔

وانیہ اب غضنفر کی طرف دیکھ رہی تھی۔وہ بولنا شروع ہوئے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اور شبانہ یونیورسٹی میں تھے۔میں پڑھائی میں اچھا تھا مگر متوسط گھرانے کا رہنے والا تھا۔

جبکہ شبانہ تعلیم میں کمزور مگر امیر گھرانے سے تعلق رکھنے والی تھیں۔

ایک دن وہ پڑھائی کے سلسلے میں مجھ سے مدد لینے آئیں۔اس وقت میں نے ان کی مدد کر دی۔مگر پھر یہ سلسلہ تھما نہیں۔ہم آیے دن ساتھ بیٹھ کر پڑھتے۔پڑھتے پڑھتے ہم کب دوست بن گئے اور کب یہ دوستی محبت میں بدل گئی ہم دونوں کو پتہ نہیں چلا۔

معملات کی سنگینی کا اندازہ تب ہوا جب یونیورسٹی ختم ہونے لگی۔اور شبانہ کے دن رات رشتے آنا شروع ہوئے۔

ایک دن شبانہ نے کہا وہ اب کی بار گھر جائیں گی تو ہمارے بارے میں بات کریں گی۔جبکہ میں ان دنوں کسی ملازمت کی تلاش میں تھا۔میں نے کہا۔شبانہ تمہاری گھر والے بہت امیر لوگ ہیں وہ تمہارے رشتہ کبھی مجھ سے نہیں کریں گے۔

شبانہ بولیں۔ابا جان۔بھائی جان سب مجھ سے بےحد محبت کرتے ہیں۔وہ میری خواہش ضرور مانیں گے۔اس بات پر میں چپ ہو گیا۔

شبانہ کا گھر ملتان میں تھا وہ ہاسٹل میں رہتی تھیں۔وہ اپنے بابا کی بے حد لاڑلی تھیں۔بلکہ اپنی بابا سے بھی زیادہ لاڑلی وہ اپنے بڑے بھائی وجاہت کی تھیں۔یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے

گاؤں سے شہر آ کر پڑھنے والی پہلی لڑکی تھیں۔ان کے بابا نے انھیں ساری برادری سے لڑ کر شہر بھیجا تھا۔

اگلی دفعہ جب وہ گھر گیں تو ایک رات کھانے کے بعد انھوں نے گھر والوں کو میرے اور اپنے بارے میں سب بتا دیا۔

جس پر سب نے غصہ کیا اور شبانہ کو بتایا کہ ان کی نسبت پہلے ہی گھر والے چاچا کے گھر طے کر چکے ہیں۔اس بات پر گھر میں شبانہ اور ان کے گھر والوں کے درمیان خوب جھگڑا ہوا۔وجاہت بھائی ان دنوں گھر نہیں تھے۔خیر شبانہ اس وقت تو چپ ہو گئیں۔مگر تین دن بعد جب گندم کی کٹائی پر میلہ لگا اور سب مہمان شبانہ کے گھر اکٹھے ہوئے تو شبانہ نے سب کے سامنے خوب تماشہ کیا۔اپنے چچا کے خاندان کو برا بھلا کہا۔اپنے گھر والوں سے جھگڑا کیا۔شبانہ نے اپنے والد کو بھرے پنڈال میں بے عزت کر دیا۔ان کے بابا نے جس برادری سے لڑ کے انھیں شہر پڑھنے بھیجا تھا انہوں نے تمہارے نانا کو بے حد باتیں سنائی۔جو کہ وہ سردار ہوتے ہوئے بھی سننے پر مجبور تھے۔یہ تمہارے نانا لوگ ہمارے جیسے لوگ نہیں ہیں یہ اپنے علاقے کے سردار لوگ ہیں۔امیر کبیر گدی نشین۔خیر

یہ سب صورتِحال دیکھتے ہوئے وجاہت بھائی فوراً گھر واپس آ گئے۔وجاہت بھائی نے سارا معاملہ سنا پھر بھی وہ بہن کو کچھ نہ کہہ سکے اور وہ بہن کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔چاچا کے گھر سے رشتہ پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔وجاہت صاحب نے اپنے گھر والوں کو میرے اور شبانہ

کے لیے راضی کرنے کی کوشش کی۔وہ مجھ سے ملے پر کچھ خاص مطمئن نہ ہوئے مگر بہن کی خواہش کے آگے مجبور ہو گئے۔

انہوں نے جیسے تیسے گھر والوں کو منایا مگر تمہارے نانا نے فیصلہ کیا کہ وہ شبانہ کی شادی مجھ سے کر تو دیں گے مگر اس کے بعد شبانہ کبھی اس گھر میں قدم نہیں رکھیں گیں۔

اس بات پر وجاہت بھائی چپ ہو گئے انہوں نے سوچا ایک بار شادی ہو جائے تو شبانہ کے گھر آنے کے لیے بھی تمہارے نانا کو وہ منا ہی لیں گے۔

دو دن بعد مجھے اور میرے گھر والوں کو بلا کر میرا اور شبانہ کا نکاح کروا دیا گیا۔نکاح نامے پر سائن کرنے کے بعد میں نے جب تمہارے نانا کی طرف دیکھا تو ان کی داڑھی آنسوں سے تر تھی۔مجھے اس وقت ان آنسوں کی وجہ سمجھ نہیں آئی مگر آج وانیہ مجھے ان آنسوں کی وجہ سمجھ آگئی ہے۔میں جوان تھا مجھے لگتا تھا سب میرا حق ہے۔مگر جو آنسوں کل تمہارے نانا کی آنکھوں میں تھے آج وہ میری آنکھوں میں ہیں۔

اس کے بعد پتہ ہے کیا ہؤا۔میں شبانہ کو لے کر حیدرآباد آگیا۔مگر شبانہ پر ان کے میکہ کے دروازے بند ہو گئے۔وجاہت بھائی نے اپنے بابا کو بار بار سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔

ایک دن وجاہت صاحب نے کہا۔اگر شبانہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگی تو وہ یہ گھر چھوڑ دیں گے۔وہ اپنی بہن کو غیر جگہ تنہا چھوڑنے پر راضی نہیں تھے۔کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ

سسرال والے شبانہ کے ساتھ جیسا مرضی سلوک کریں اور کوئی ان کو پوچھنے والا نہ ہو۔گو کہ شبانہ کو کبھی ایسا کوئی مسلئہ نہیں ہوُا تھا مگر ان کی فکر اپنی جگہ تھی۔

تمہارے نانا کے لیے یہ بڑا دھچکا تھا۔وجاہت بھائی اپنے بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ بڑے بھائی کے معزور ہونے کی وجہ سے وہ آگلے سردار تھے۔زمینوں اور گاؤں کے معاملات ان کے سپرد تھے۔مگر تمہارے نانا نہیں مانے۔انہوں نے کہا کہ اگر وجاہت جانا چاہتے ہیں تو جائیں مگر شبانہ اس گھر میں نہیں آئیں گی۔

یہ سن کر وجاہت بھائی نے واقعی جانے کا فیصلہ کر لیا۔

تمہاری ثریا ممانی حویلی کی بڑی بہو تھیں۔تمہارے نانا نے کہا کہ ثریا وجاہت کو جانے دیں اور ثریا اور صیان حویلی میں ہی رہیں۔صیان ان کا پوتا تھا۔اگلا سردار۔وہ ان کو وہیں روکنا چاہتے تھے۔

ثریا بھی وہاں سے آنا نہیں چاہتی تھیں۔ان کا میکہ سسرال سب اسی گاؤں میں تھا۔حویلی میں ان کی ملکاوں جیسی شان تھی مگر انہوں نے شوہر کو چنا اور چھوٹے سے صیان کو لے کر سب کو چھوڑ کر آ گئیں۔یہ تھیں تمہاری ثریا ممانی جن کے دوپٹے پر تم نے پاؤں رکھ دیا۔

اور جن وجاہت ماموں کو تم نے تانے دیے نا یہ وہ ہیں جو سب چھوڑ کر بہن کی خاطر حیدرآباد آبسے۔انہوں نے یہاں زمینیں خریدیں۔گھر خریدا۔گو کہ اب بھی بہت سے گاؤں

کے معاملات اور سرداری ان کے پاس تھی مگر پہلے جیسی بات نہ تھی۔مگر انہوں نے سب برداشت کیا کیونکہ وہ بہن کو لاوارث نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

پھر وجاہت صاحب کی ہی مسلسل کوششوں سے تمہارے نانا نے شبانہ کو معاف کیا اور ہمارے گھر آنے جانے لگے۔اور آج تم نے مجھے ان کے سامنے منہ دیکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔میں نے زندگی میں بہت محنت کی تب جا کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم آج ایسے ہیں ورنہ میں شروع سے امیر نہیں تھا۔

پر بابا پسند کی شادی کرنا میرا حق ہے اور یہ آپ کا بھی حق تھا۔وہ منمنائی۔

بیٹا پسند کی شادی کرنا تمہارا حق تھا۔کسی کو ذلیل کرنا تمہارا حق نہیں تھا۔گھر آئے مہمان کو بے عزت کرنا۔تمہارا حق نہیں تھا۔باپ کی عزت خاک کرنا تمہارا حق نہیں تھا۔اگر تمہیں صیان پسند نہیں تھا تو بعد میں ہم سے بات کرتی۔کچھ وقت لگتا مگر ہم مان جاتے۔ہم تمہیں گن پوائنٹ پر تو رخصت نہ کرتے نہ وانیہ۔

جیسے میرا اور شبانہ کا حق تھا کہ ہم پسند کی شادی کریں۔مگر ہمیں یہ حق نہیں تھا کی شبانہ کے چچا کی فیملی کو ذلیل کریں۔ہمیں حق نہیں تھا تمہارے نانا کو بے عزت کریں اگر شبانہ وہ ہنگامہ نہ کرتی۔کچھ دن انتظار کرتی۔وجاہت بھائی آجاتے ان سے بات کرتی۔وہ ضرور سنتے اور کوئی نا کوئی حل نکل آتا۔وجاہت بھائی بعد میں ہماری شادی کرواسکتے تھے تو پہلے بھی کر واسکتے تھے۔گھر کی بات گھر میں رہتی۔پورے گاؤں میں تمہارے نانا بے عزت نہ ہوتے۔

اس لیے وانیہ جو کچھ ہوا اس پر تمہاری سزا نہیں بنتی بلکہ یہ تو میری اور شبانہ کی سزا ہے۔ یہ تو میرا اپنا کیا ہؤا ہے جو میرے سامنے آیا ہے۔

وانیہ نے اب اپنی ماما کی طرف دیکھا تو وہ بری طرح رو رہی تھیں وہ اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔اب وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے یہ ہی دہرا رہی تھی۔

میری کوئی غلطی نہیں ہے۔میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔

میری کوئی غلطی نہیں ہے۔میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔

میری کوئی غلطی نہیں ہے۔میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔

شہریار ہاتھ میں ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوا تو صیان ایک کونے میں سر دیوار سے لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔

انھیں شہریار کے گھر آئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔شہریار نے صیان کی ضد پر اسے کچھ دیر اکیلا چھوڑ دیا تھا۔مگر اب رات ہو رہی تھی وہ جانتا تھا کھانے کے لیے بلایا تو صیان نہیں آئے گا۔لہاذا وہ کھانا ٹرے میں رکھ کر اس کے کمرے میں لایا تھا۔

کھانا کھا لے بھائی۔ٹرے میز پر رکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

بھوک نہیں ہے۔صیان نے شہریار کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔

شہریار خاموشی سے چند قدم آگے آیا۔

مجھے پتہ ہے تو غم میں ہے اور ہونا بھی چاہیے۔اپنے غموں کو پروسس کرنا چاہیے مگر۔۔

ابھی وہ کچھ کہتا صیان بول پڑا۔

غم۔وہ ہلکا سا ہنسا۔درد بھری ہنسی۔تکلیف سے پر ہنسی۔

تجھے پتہ میں کس سے گزرا ہوں۔میرا غم کیا ہے۔

بھائی میں نے کہا تو ہے وہ لڑکی تجھے ڈیزرو ہی نہیں کرتی تھی۔شہریار نے آرام سے کہا تھا۔

صیان نے گردن موڑ کر شہریار کو دیکھا۔

تجھے لگتا ہے میری قصور وار وانیہ ہے؟

ظاہر سی بات ہے۔شہریار نے دوبدو جواب دیا۔

غلط۔بلکل غلط۔قصور وانیہ کا نہیں ہے۔قصور اس معاشرے کا ہے۔پتہ ہے کیسے؟ صیان شہریار کے بولنے سے پہلے ہی بول اُٹھا۔چل میں بتاتا ہوں تجھے۔

تجھے پتہ ہے میں تیراں سال کا تھا۔جب ایک دن میری ایک سکول کی دوست گھر آئی۔وہ صرف نوٹس لینے آئی تھی۔وہ نوٹس لے کر چلی گئی۔مگر اس کے جانے کے بعد بابا نے مجھے کمرے میں بلایا اور کہا۔

صیان تمہیں کسی لڑکی سے دوست نہیں کرنی اور اگر کرنی ہے تو یاد رکھنا کہ تمہیں وہ پسند نہیں آنی چاہیے۔میں نے تمہارا رشتہ بچپن میں ہی وانیہ کے ساتھ طہ کر دیا تھا۔

اس لیے تمہیں اگر کوئی پسند آئے تو وہ لڑکی وانیہ ہونی چاہیے۔کسی سے محبت ہو تو وہ لڑکی وانیہ ہونی چاہیے۔کوئی لڑکی اگر اس حویلی میں تمہاری دلہن بن کر آئے گی تو وہ وانیہ ہو گی۔تمہیں کبھی کوئی اور لڑکی پسند نہیں آنی چاہیے۔

میں نے انھیں کہا پر بابا مجھے وانیہ نہیں پسند۔وہ اس وقت بھی اتنی ہی ضدی، خودسر اور بدتمیز تھی۔

بابا نے کہا ابھی وہ چھوٹی ہے بڑی ہو گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔مگر وانیہ کے علاوہ مجھے کسی اور کا خیال بھی ذہن میں لانے کی اجازت نہیں ہے۔

میں نے یہ سنا اور کمرے سے باہر آگیا۔

مگر اس رات میں ساری رات وانیہ کے بارے میں سوچتا رہا۔بابا نے کہا تھا میں اس کی اچھی باتوں کو سوچوں بری کو نہیں۔میں نے بھی اس کی اچھی باتوں کو سوچا۔کچھ اچھائیاں تو اس میں بھی تھیں۔مکمل سیاہ تو عموماً کوئی نہیں ہوتا۔

اگلے دن وہ ہمارے گھر آئی۔وہ اکثر پھوپھا پھوپھی کے ساتھ آیا کرتی تھی۔اس دن میں نے صرف اس کی اچھی باتوں پر غور کیا۔ذہن بدلا تو نظر بدلی اور نظر بدلی تو دل بھی بدل گیا۔

میں نے سوچ لیا کہ مجھے وانیہ سے ہی محبت کرنی ہے۔میں نے کچی عمر میں پکے خواب بن لیے۔

پوری زندگی وانیہ کے ساتھ پلین کر لی۔وانیہ کو گاؤں والے پسند نہیں تھے۔میں نے دادا سے ملنے گاؤں جانا چھوڑ دیا۔

ایک دفع میں نے ایک ہیر کٹ کروایا۔کہیں کسی ہیرو کا دیکھا تھا تو شوق شوق میں۔میں نے بھی کروالیا۔مگر وانیہ کو پسند نہیں آیا۔میں نے آگلے دن جا کر واقعی ہیر کٹ چینج کروالیا۔

جو ڈریس وانیہ کو پسند نہیں آیا۔وہ میں نے دوبارہ نہیں پہنا۔چاہے مجھے کتنا ہی پسند کیوں نہ ہو۔میں نے اس سے اتنی محبت کی مگر اس نے کیا کیا۔اس سب کا کیا انجام ہوا۔

سب کو یہ لگتا ہے اس میں وانیہ کا قصور ہے جبکہ اس میں وانیہ کا نہیں پہلا قصور میرے ماں باپ کا ہے۔یہ شادی بیاہ یہ چیزیں ایسی نہیں ہوتی کہ بچپن میں طہ کر دی جائیں۔ہر

انسان کو حق ہونا چاہیے کہ وہ بڑا ہو پھر اپنی سوچ سمجھ اور خواہش کے مطابق اپنا ہمسفر چنے۔

میرا دل کرتا ہے میں ہر ان ماں باپ سے جو اپنے بچوں کا رشتہ بچپن میں طہ کرتے ہیں ہاتھ جوڑ کر کہوں پلیز ایسا ظلم مت کریں۔

پتہ ہے بچپن کے رشتوں میں کبھی تو شادی ہو جاتی ہے مگر کبھی ایسا نہیں نہیں ہو پاتا۔ایسی صورتحال میں دونوں لڑکا لڑکی میں سے کوئی ایک اس تعلق کو لے کر حساس ہو جاتا ہے۔ کچی عمر میں پکی محبت کر لیتا ہے۔جبکہ دوسرا بےزار ہوتا ہے۔اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ایسے میں محبت کرنے والے کا دل بری طرح ٹوٹ جاتا ہے۔اس کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے اور اس کے غم کا اندازہ کسی کو نہیں ہوتا۔

اگر میرے ماں باپ بچپن میں میرا رشتہ نہ کرتے۔مجھے میری زندگی میری مرضی سے گزارنے دیتے تو وانیہ میری چوائس کبھی نہ ہوتی۔

دوسرا قصور میرا ہے۔میں نے اس کی خاطر سب سہا۔مجھے لگا میری محبت اسے بدل دیے گی مگر سچ تو یہ ہے کہ کسی کی محبت کسی کو نہیں بدل سکتی۔مجھے اپنے لیے سٹینڈ لینا چاہیے تھا۔

ہاں تیسری غلطی وانیہ کی ضرور ہے۔

تجھے پتہ ہے شہریار میں نے تو اپنی پوری زندگی اس کے ساتھ پلین کرلی تھی۔اب وہ نہیں ہے تو جیسے سب خواب بے معانی ہوگئے ہیں۔

اس نے میری اتنی تزلیل کی شہریار۔کیا محبت کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا کے طور پر دل توڑ دیا جائے۔بے عزت کیا جائے۔سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا جائے۔

تجھے پتہ ہے آج میرا دل خالی ہوگیا ہے اس کی محبت سے۔مجھے اس سے نفرت بھی نہیں ہو رہی۔نہ محبت نہ نفرت۔میرا دل بلکل خالی ہے اب۔

میرا دل ٹوٹ گیا ہے شہریار۔کبھی نہ جڑنے کے لیے۔

میرے ہر طرف اندھیرا ہے۔ہر طرف گھپ اندھیرا۔

وہ بلند ہچکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔

بچپن کی منگنیاں واقعی معاشرے کا ایک ناسور ہیں۔اور تیری یہ بات بھی صحیح ہے کہ آنکل آنٹی کی غلطی ہے۔تیری اپنی بھی غلطی ہے۔مگر میرے نزدیک وانیہ کی غلطی بھی بہت بڑی ہے۔شہریار مذید کہہ رہا تھا۔

وہ منع کر دیتی مگر بعد میں عزت احترام سے۔ذلیل نہ کرتی۔بے عزت نہ کرتی۔

دو لوگوں میں اگر ایک دوسرے کو پسند نہ بھی کرے پھر بھی عزت ضرور کرے۔بیٹھ کر احترام سے بھی معاملہ حل کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ دوسرے انسان کی بے عزتی کرے۔

اور یار جہاں تک تیرے غم کی بات ہے تو میں جانتا ہوں کہ بچپن کی محبت بھولنا آسان نہیں ہے بلکہ بچپن کی کیا کوئی بھی محبت بھولنا آسان نہیں ہے۔مگر کوشش تو کی جا سکتی ہے نا یار۔

موو آن اس دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے مگر یہ ناممکن نہیں ہے۔

تجھے لگتا ہے کہ تیرے ہر طرف گھپ اندھیرے ہیں مگر تو یہ کیوں بھول رہا ہے کے گھپ اندھیرے کے بعد ہی صبح کی پہلی کرن پھوٹتی ہے۔تجھے بھی اندھیروں کے بعد نسیمِ صبح ضرور ملے گی۔

نسیمِ صبح ؟ صیان نے گردن اٹھائی۔آنکھوں میں آنسوں جھلملا رہے تھے۔

ہاں نسیمِ صبح۔نسیمِ صبح کا مطلب ہوتا ہے صبح کی ٹھنڈی ہوا۔وہ اطمینان والی پرسکون ہوا۔جو ایک پر امید۔روشن دن لے کر آتی ہے۔وہ نسیمِ صبح تجھے ضرور ملے گی۔

مجھے تیری باتوں پر یقین نہیں آتا۔کبھی میں اس درد سے نکل سکوں گا؟ اس غم سے نجات ہوگی؟ صیان نے تڑپ کے کہا۔

مجھے پر یقین نہیں آتا نا کر مگر اللہ تعالیٰ پر یقین کر۔تیرا دل ٹوٹا ہے صیان اور ٹوٹے دلوں کو وہی جوڑ سکتا ہے جس نے یہ دل بنایا ہے۔اور جو لوگ اپنے ٹوٹے دل لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں نا ان کے دل واقعی جڑ جاتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ پر یقین رکھ۔اللہ تعالیٰ سے امید لگا۔اللہ تعالیٰ تیرا دل جوڑ دیے گا۔تجھے اس غم سے نجات دیے گا۔کیونکہ ٹوٹے دلوں کا پھر سے جڑنا ممکن ہے۔

میں کوشش کروں گا۔صیان نے روتے ہوئے کہا۔

اور یہ کھانا کھالو۔

دل نہیں چاہ رہا۔صیان ابھی بھی ویسے ہی بیٹھا تھا۔

بھائی دل کے غموں کی سزا پیٹ کو نا دیے۔یہ جسم تیرا اپنا نہیں ہے کہ جب دل چاہا کھا لیا۔جب دل چاہا بھوکے رہے۔یہ جسم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت ہے۔جس کی ضروریات پوری کرنا ہمارا فرض ہے۔اس لیے میں دوبارہ آوں تو یہ کھانا فنش ہو۔

یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔وہ صیان کو وقت دینا چاہتا تھا یہ سب باتیں سمجھنے کے لیے۔ابھی اسے صیان کے ماں باپ کو بھی سنبھالنا تھا۔جو صیان سے بات کرنے کے لیے بے چین تھے مگر صیان کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ان کی اس سے بات کرواتا۔

یہ سب سوچتا وہ کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا۔دروازے سے نکلتے اس نے مڑ کر دیکھا تو صیان آنسوں صاف کرتے ہوئے کھانا کھا رہا تھا۔شہریار کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

صیان کی زندگی میں نسیمِ صبح ضرور آئے گی اسے پورا یقین تھا۔

وہ وانیہ کے سامنے بیٹھی اسے ساری کہانی بتا رہی تھی۔میں نے اس نصیر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ذیب النساء نے کہا۔

فائنلی تم نے ہمت کر ہی لی۔وانیہ چہکی۔اس کے لیے یہ سب ایڈونچر تھا۔

ہاں کرنی پڑی ورنہ وہ ابا کو بتا دیتا۔ذیب النساء کنفیوژن کا شکار لگتی تھی۔

اچھا فیصلہ ہے۔وانیہ نے تائید کی۔

اور اس قاسم کا کیا؟ وانیہ کو اچانک خیال آیا۔

وہ شہر سے باہر ہے۔ذیب نے اطمینان سے کہا۔

ویری گڈ۔وانیہ اب پرجوش تھی۔

تم تو میرے ساتھ چلو گی نا۔ذیب نے پوچھا۔

آف کورس یار ہم بیسٹ فرینڈز ہیں۔میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔بے فکر ہو جاؤ۔

ذیب کو اس کی باتیں سن کر کچھ اطمینان ہوا۔

اب وہ دونوں کسی اور موضوع پر بات کر رہیں تھیں۔

کچھ دن بعد۔

آج ایک روشن صبح تھی۔مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس صبح کا اختتام ذیب النساء کے لیے کتنا تاریک ہونے والا تھا۔

یہ منظر قاسم کے کمرے کا ہے جہاں قاسم گنگناتے ہوئے اپنے کپڑے بیگ میں ڈال رہا تھا۔

ایک بھرپور مسکراہٹ اس کے چہرے پر موجود تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے بیگ کی ذیپ بند کی اور بیگ اٹھایا اور کمرے سے باہر نکلا۔گیراج میں پہنچتے ہی ڈائیور سے چابی لی اور بیگ پچھلی سیٹ پر پھینکا۔

اسے ایک بہت بڑے فیشن شو کی طرف سے کراچی بلایا گیا تھا۔اگر یہ اچھا جاتا تو اس کے ماڈلینگ کے کریئر کو چار چاند لگ جاتے۔اس کی آنکھیں چمک رہیں تھیں۔

پھر خود گاڑی میں بیٹھا۔کچھ دیر بعد گاڑی موٹروے پر کراچی کی جانب گامزن تھی۔

وہ آج بھی یونیفارم پہنے ہوئے تھی۔آنکھیں کاجل سے محروم سادگی کا پتہ دیتی تھیں۔

اس نے گھر سے نکلتے ہوئے ایک دفعہ اماں کا چہرہ دیکھا۔وہ خوشی خوشی ناشتہ بنا رہیں تھیں۔ شاید ماہم کا پھر سے کوئی رشتہ آیا تھا مگر اب ایسی باتیں اس کو بتائی نہیں جاتی تھیں۔

خیر وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی۔ایک نظر ابا کو دیکھنا چاہا۔مگر آج وہ جلدی دفتر چلے گئے تھے۔اس کا دل عجیب ہو گیا۔

آج اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ہر وقت بس یہی خیال آتا کہ جانے وہ صحیح کر رہی ہے یا غلط۔عجیب سوچیں سوچتی وہ گھر سے نکل آئی اور وین میں سوار ہو گئی۔

گاڑی کالج کے سامنے رکی تو وانیہ اور ذیب النساء اتر کر کالج کی جانب بڑھ گئیں۔

دو لیکچر لینے کے بعد وہ ہاف لیو لے کر کالج سے باہر نکل آئیں۔

سامنے وانیہ کا ڈرائیور گاڑی لیے کھڑا تھا۔

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھی اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

واٹ؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر۔پلیز سر۔پلیز۔سر

عین وقت پر قاسم کی جگہ کسی اداکار کے بیٹے کو رکھ لیا گیا تھا۔جس پر قاسم کو پہلے تو یقین ہی نہیں آیا مگر جیسے ہی اسے یقین آیا وہ باقاعدہ پروڈیوسر کی منتیں کرنے لگا۔

مگر مقابل نے بغیر کوئی اثر لیتے ہوئے فون رکھ دیا۔

قاسم نے غصے سے موبائل دور پھینکا۔

اب وہ گاڑی موڑ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی واپس حیدرآباد کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔

گاڑی ایک مال کے سامنے رکی۔

وہ دونوں گاڑی سے اتریں اور اندر بڑھ گئیں۔

سامنے لگے ایلیویٹر سے چڑھتی وہ دوسرے فلور پر بنے فوڈ کوٹ کی جانب آیں جہاں نصیر بیٹھا تھا۔رنگ برنگی جینز شرٹ پہنے وہ ایک بڑی مسکراہٹ سجائے سامنے آتی ذیب النساء کو دیکھ رہا تھا۔

اسلام علیکم۔اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

اسلام کا جواب دیتی وہ دونوں اب اس کے سامنے بیٹھ چکی تھیں۔

یہ محترمہ کون ہیں۔نصیر نے وانیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

دوست ہے میری۔تم بتاؤ نصیر کیوں ملنے بلوایا ہے۔کیا بات ہے جو فون پر نہیں ہو سکتی تھی۔

پہلے اپنی اس دوست سے کہو یہ یہاں سے جائے۔وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

جس پر ذیب نے کہا یہ کہیں نہیں جائے گی۔تمہیں جو کہنا ہے کہو۔

میں نے کہا نہ پہلے اسے بھیجو۔وہ ہٹ دھرمی سے کہتا ٹیک لگا چکا تھا۔

اب وانیہ بولی۔ٹھیک ہے میں سامنے والے ٹیبل پر بیٹھ جاتی ہوں۔ذیب النساء وانیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

یار میں یہ سامنے ہی بیٹھی ہوں ریلیکس۔وہ ذیب النساء کو تسلی دیتی سامنے والے میز پر جا بیٹھی تھی۔

وہ بالاج کے سامنے بیٹھا شیشہ پی رہا تھا۔یار گولی مار ان پروڈیوسروں کو کیوں خون جلاتا ہے۔

قاسم جواب میں خاموش رہا۔

اچھا اب اداس لیلہ تو نہ بن۔آجا باہر چلتے ہیں۔ہوٗا کھانے۔تیرا موڑ بھی بہتر ہو جائے گا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر گیٹ پار کر چکے تھے۔

اب بولو نصیر آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ذیب النساء نے اکتاتے ہوئے نصیر کو دیکھا۔

میرا مسئلہ تم ہو اور تمہاری محبت ہے میرا مسئلہ۔

کیا مطلب؟ ذیب النساء نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

دیکھو مطلب صاف ہے۔میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں ذیب کہ اب صرف کال یا میسج پر میرا گزارا نہیں ہے۔آج تم ملنے بھی آئی ہو تو اتنے رش والی جگہ پر۔میں چاہتا ہوں تم مجھ سے میرے گھر ملنے آؤ وہ بھی اکیلے۔میرا مطلب تو تم سمجھ ہی چکی ہو گی۔اتنی چھوٹی بچی تو نہیں ہو اب۔

وہ چہرے پر مکروہ مسکراہٹ سجائے بول رہا تھا۔

ذیب النساء کے حواس ایک لمحے کے لیے جواب دیے گئے۔اگلے ہے لمحے وہ غصے سے اٹھیاور کہا۔ان یور ڈریمز۔

ابھی وہ اٹھی ہی تھی کہ نصیر نے اسے ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بیٹھا دیا۔

پہلے پوری بات سن لو۔

نہیں سننی مجھے۔اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے دوسرا ہاتھ آگے بڑھایا۔مگر نصیر نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

نصیر نے اس کے ہاتھ اس طرح پکر رکھے تھے کہ دیکھنے والے کو لگتا کہ جیسے لڑکے نے بڑی محبت سے لڑکی کے ہاتھ تھام رکھے ہوں۔

تمہارے سارے میسجز اور فون کال کی ریکارڈنگ میرے پاس موجود ہے ذیب۔وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اس لیے اب اگر تم نے میری کو بات نہ مانی تو جو میں کروں گا اس کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔

ذیب کا سارا غصہ اس کی بلیک میلنگ پر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔غصہ کی جگہ اب ڈر نے لے لی تھی۔

سامنے بیٹھی وانیہ اس سب سے بے خبر اپنے موبائل میں گم تھی کہ اچانک سامنے نظر پڑی۔شاہمیر اس کے سامنے سے آ رہا تھا۔

وانیہ تم یہاں۔

وانیہ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

ہاں بس کافی پینے کا دل کیا تو آ گئی۔

تو مجھے بتاتی نا یار ساتھ آ جاتے۔۔یہ کہتے ہوئے وہ وانیہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

وانیہ بےبس سی دوبارہ بیٹھ گئی۔

سامنے بیٹھا نصیر مذید کہہ رہا تھا۔

ذیب میں یہ سب تمہاری محبت کی وجہ سے کر رہا ہوں۔

آی ریلی لو یو۔

ذیب حیران سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔دونوں ہاتھ ابھی بھی نصیر کی گرفت میں تھے۔کہ اسی پل کسے نے میز بجائی۔

میز بجانے والے کو دیکھ کر ذیب النساء کو لگا کسی نے اس کے اوپر پہاڑ گرا دیے ہیں۔

وہ سڑکوں پر بے مقصد گھوم رہے تھے۔

جب بالاج کو پیاس لگی۔اس نے سامنے دیکھا تو پانی کی بوتل خالی تھی۔

یار کہیں رک کر پانی پیتے ہیں۔بالاج نے قاسم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں۔باقاعدہ کھانا کھاتے ہیں بھوک لگی ہے۔

قاسم نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے۔قاسم نے ایک مال کے سامنے گاڑی روک دی۔

ریسٹورنٹ تو دور ہیں اس جگہ سے مگر اس مال کے فوڈ کوٹ کا کھانا بھی اچھا ہوتا ہے۔

قاسم سر ہاں میں ہلاتا ہوُا باہر آیا۔

اب وہ دونوں مال کے اندر بڑھ رہے تھے۔

دوسرے فلور پر فوڈ کوٹ پہنچے تو ایک لڑکا لڑکی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے۔

بالاج نے ہنستے ہوئے قاسم کا کندھا ہلایا۔

آج کل لیلہ مجنوں ہر جگہ اویلیبل ہیں۔

قاسم نے بالاج کے اشارے پر سامنے دیکھا تو اس کی سانسیں رک گئیں۔

وہ جس کو سچی محبت کہا تھا۔جس کی پاکیزگی پر اندھا اعتماد تھا۔وہ سامنے کسی لڑکے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھی تھی۔قاسم ملک کو دل رکتا محسوس ہوا۔

وہ قدم قدم چلتا آگے آیا۔

ذیب النساء کے سامنے بیٹھا لڑکا اسے آی لو یو کہہ رہا تھا۔

قاسم نے بس یہ آخری جملہ ہی سنا تھا۔اسے اپنی سانسیں اٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

آگے بڑھ کر اس نے ذیب اور نصیر کے سامنے میز بجایا۔

اب ذیب النساء اور قاسم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

کہ اچانک قاسم چلایا۔

کیوں کیا۔کیوں دھوکہ دیا۔کیوں۔

قاسم مسلسل چلا رہا تھا۔

نصیر کھڑا ہو چکا تھا۔

سامنے والے میز پر بیٹھی وانیہ اور شاہمیر بھی کھڑے ہو چکے تھے۔

آس پاس کے لوگ بھی رک کر تماشہ دیکھنے لگے۔

قاسم میں وہ۔۔ذیب النساء نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔

آپ کون ہیں بھائی صاحب۔نصیر نے غصے سے پوچھا۔

قاسم نے ایک نظر اسے دیکھا اور آگلے ہی لمحے گھوما کر ایک مکہ اس کے منہ پر جڑ دیا۔

نصیر اب نیچے گرا تھا۔اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔

لوگوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو بالاج کے گارڈز نے گنز تان لیں۔

مال کی انتظامیہ اور دوسرے لوگ وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے۔

کیوں ذیب۔کیوں۔وہ اب ذیب النساء کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ذیب النساء کی زبان نے ہلنے سے انکار کر دیا تھا۔حواس کام نہیں کر رہے تھے۔

تمہیں میری محبت راس نہیں آئی نا۔ تمہیں عزت راس نہیں آئی نا۔ قاسم نے ذیب النساء کو کوہنی سے پکڑا اور اپنے سامنے کیا۔

کیوں ذیب کیوں۔کیوں دھوکہ دیا۔کیوں۔مجھے دھوکہ دیا ہے نا تم نے۔اب اس کا انجام بھی دیکھنا۔

قاسم کا چہرہ اشتعال سے سرخ ہو رہا تھا۔

آنکھیں بہ رہی تھیں۔

اس نے ذیب کو کوہنی سے پکڑا اور گھسیٹنے لگا۔

ذیب النساء فوراً ہوش میں آئی۔

چھوڑو مجھے قاسم۔لیو می۔وہ چلانے لگی۔

مال کے گاڑی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر بالاج نے اونچا سا کہا۔

جو بھی بیچ میں آیا وہ آج جان سے جائے گا۔بالاج معاملہ سمجھ چکا تھا۔

مال کے گاڑز اور دیگر لوگ وہیں رک گئے۔

ذیب النساء نے سامنے کھڑی وانیہ کو دیکھا تو وہ چلائی۔

وانیہ مجھے بچاؤ۔اسے سمجھاؤ ایسا کچھ نہیں ہے۔

وانیہ۔۔ذیب النساء وانیہ کی طرف امید سے دیکھ رہی تھی۔

شاہمیر نے یہ سنا تو وانیہ کو دیکھا اور عجیب لہجے میں کہا۔

وانیہ تم اس لڑکی کو جانتی ہو۔ان لڑکوں کو جانتی ہو تم۔

وانیہ نے ایک نظر شاہمیر کو دیکھا۔اور ایک نظر ذیب النساء کو دیکھا۔وہ اسے امید سے دیکھ رہی تھی۔

قاسم۔بالاج۔ذیب۔نیچے گرا نصیر۔مال کے گارڈز۔ارد گرد کے لوگ۔سب وانیہ کو دیکھ رہے تھے۔

صرف ایک لمحہ تھا۔آج وانیہ کو محبت اور دوستی میں سے ایک کو چننا تھا۔اور وانیہ نے محبت کو چن لیا تھا۔

میں اسے نہیں جانتی۔یہ صرف ایک کلاس فیلو ہے۔اور کچھ نہیں۔مجھے نہیں پتہ یہ یہاں ان لڑکوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔وہ شاہمیر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

شاہمیر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

جبکہ ذیب النساء جہاں تھی وہیں رہ گئی۔وانیہ۔کیا کہہ رہی ہو تم۔پلیز وانیہ ہیلپ می۔وہ چلا رہی تھی۔

جبکہ شاہمیر وانیہ کا ہاتھ پکڑے اسے یہاں سے لے کر باہر نکل گیا۔

اب ذیب نے قاسم کی طرف دیکھا۔

وہ آگ اگلتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

آگلے ہی لمحے اس نے ذیب النساء کو کوہنی سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے مال سے باہر لے جانے لگا۔بالاج کے گاڑی نے ان کے گرد ہالہ بنا رکھا تھا۔

کسی نے ذیب کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔کسی کو ان بڑے وڑیروں سے دشمنی مول نہیں لینی تھی۔

قاسم اسے مال سے باہر لایا اور گاڑی کے اندر پھینکے کے انداز میں ڈالا۔

تو دوسری گاڑی میں آجا۔قاسم نے بالاج کو کہا۔

اوکے۔بالاج کچھ سوچتے ہوئے آگے بڑھا۔

یار کہا جائے گا ابھی۔

فارم ہاؤس۔قاسم نے جواب دیا۔

اوکے میں وہاں کے لوگوں کو الرٹ کر دیتا ہوں۔اور پولیس کی یا کسی کی فکر نہ کریں میں دیکھ لوں گا سب کو۔یہ کہتے ہوئے وہ دوسرے گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔وہ ان دوستوں میں سے نہیں تھا۔جو کسی کو غلط کام سے روکیں۔بلکہ اس کا تعلق دوستوں کی کیٹیگری سے تھا جو غلط کاموں میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ایسے لوگ سب سے برے دوست ہوتے ہیں۔

قاسم اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔اور گاڑی میں بیٹھا۔ذیب النساء ابھی بھی رو رہی تھی۔چلا رہی تھی۔

اب اگر ایک لفظ منہ سے نکالا تو میں ابھی تمہیں جان سے مار دوں گا۔

وہ ڈیش بورڈ سے ریوالور اٹھاتے ہوئے بولا۔

ذیب النساء کی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

قاسم نے گاڑی سٹارٹ کی۔کچھ ہی دیر بعد گاڑی شہر کی حدود سے باہر نکل چکی تھی۔

جاری ہے